

گلزار صفورہ



شفیق فاطمہ شعری

## تقسیم کار

شفیق فاطمہ شعرٹی - ۱۷۲ - اے سی، آئی، بی - نیا ملک پیٹ - حیدرآباد ۳۶  
مدرسہ دفتر:

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ - جامعہ نجر، نئی دہلی 110025

شاخیں:

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ - اردو بازار - دہلی 110006

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ - پرنس بلڈنگ - بمبئی 400003

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ - یونیورسٹی مارکیٹ - علی گڑھ 202002

قیمت = 36/

تعداد 750

پہلی بار نومبر ۱۹۹۰ء

لبرٹی آسٹ پریس (پروپرائٹرز) مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، پٹودی ہاؤس، دریا گنج، نئی دہلی ۲ میں طبع ہوئی۔

# فہرست

۵۶	خلا بے کراں	۵	انتساب
۵۷	صدابصحرا	۷	ارضِ نغمہ
۶۰	زوالِ عہدِ تمنا	۱۱	رسالت
۶۳	فصلِ نیکِ فال	۱۲	جب بھی سحر آئی
۶۶	اسیر	۱۵	یادِ شکر
۶۸	دھندلے	۱۹	فصیل اور نگِ آباد
۷۱	سرحق	۲۷	ایلو را
۷۵	مجنوب	۳۱	خوابوں کی انجمن
۷۹	افقِ درافق	۳۷	سیتا
۸۲	حکایتِ ذوالنوں	۴۰	زیرِ چرخِ کہن
۸۵	گلہٗ صفورہ	۴۱	درماں
	عکسِ نغمہ (تراجم) اسپین کے غنائی شاعر	۴۴	خلدِ آباد کی سرزمین
	JUAN RAMON JIMENEZ	۵۰	سمتیں
۸۷	کی نظمیں	۵۳	مسافر پرندے

۱۰۱	نذرِ نغمہ	۸۹	تاراچمکا
۱۰۲	تارِ رگِ جہاں	۹۰	وہ رادھارانی امر
۱۰۳	دوامِ ما	۹۲	یادِ وطن
۱۰۴	ورائے نور	۹۴	فطانت
۱۰۵	سرمایہ بہار	۹۵	آزردہ قمری
۱۰۶	غزل	۹۷	پرہیزی
۱۰۷	قطعات	۹۹	چلنا چلنا مدام چلنا

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

## انتساب

بہن انیس فاطمہ اور کنیز فاطمہ کے نام

انہیں اضطراب بہت  
کہ اس کا بنے گا کیا ،  
کبھی بول پائے یہ کوئی لفظ صفائی سے ،  
تو خدا کا شکر ادا کریں سر  
تو وہ بالکائیں بٹھائے رکھتیں مجھے لگا ہوں کی قید میں ،  
کہ یہ لفظ یوں نہیں یوں کہو  
تو ہزارہ حیف و احتساب  
مٹا سکا نہ نوشتہ قسمت لفظ کا  
وہ 'بنکھار پورہ' یہ ہان پورہ نہ بن سکا  
تو وہ صبر و ضبط سے پھوٹتی ہوئی  
بے تحاشا ہنسی ،  
کہیں دور گرے تا بے آیشہ سا جس کا اب بھی ،  
اسی کے نام ہو ، انتساب کتاب کا ۔

# ارضِ نغمہ

اک جہانِ آرزو، بجلیوں کے کھیل سے  
 مدتوں جلا گیا، مدتوں ہوا نہ سرد  
 بس گیا اجڑ گیا بن گیا بگڑ گیا  
 مدتوں اڑا ہے رنگ مدتوں اڑی ہے گرد  
 شاخہائے خشک میں کو نیلوں کا انگلیں  
 کو نیلوں کی جانشیں برگہائے زرد زرد  
 نیم روز کا شکوہ شام کے لہو میں غرق  
 تہ نشین سیل صبح اختران شب نور  
 دکھ رہا ہے دل بہت کوئی ہے جو بانٹ لے  
 ایسے روز و شب کا بار ایسی زندگی کا درد  
 فرصت ازل ملی مہلت ابد ملی  
 اور ہر نفس کے ساتھ تاک میں لمحہ ملی

ایک آسماں کا جو ختم ہو گیا جہاں  
 گھات میں ہمیں وہاں اور آسماں ملے  
 اضطراب روح کا درخور قفاں نہیں  
 خامشی کی تھاہ میں شاید اب اماں ملے

دل میں جل رہے ہیں کچھ راز ہائے جاں گداز  
 جانے کب نہ باں ملے فرصت بیاں ملے  
 قافلوں سے تیز تر منتر لیں رواں دواں  
 کشتہ خسرام کی داد پھر کہاں ملے  
 ناگہاں بچھڑ گئے ایک ایک موڑ پر  
 ایک ایک موڑ پر وہ جو ناگہاں ملے  
 کس کی آرزو کریں کس کی جستجو کریں  
 چاک دامن حیات کس طرح رفو کریں

لے کے آگیا یہاں مجھ کو ذوقِ انجمن  
 مطلعِ نجوم و ماہِ تھی مری نظارہ گاہ  
 تیرے ایک جرمِ کو پی کے اور کیا کہوں  
 آہ ائے مئے حیات ائے مئے حیات آہ  
 رابلطوں کی ہر نمود بستہ زیاں و سود  
 اس کو بندگی کی دھن اس کو خواجگی کی چاہ  
 غنچہِ خموشی کی منزلِ مراد صبح  
 میری منزلِ مراد ایک آشنا نگاہ  
 اجنبی فضاؤں کی ہر پرت کو کھول کر  
 ڈھونڈتی رہی امید بدتوں کلیدِ راہ  
 بادۂ شکیب و صبر ناگہاں آبل گیا  
 اور قلب شعلہ قام اک نوا میں ڈھل گیا

اک نوائے غم گسار جیسے ناقہ تترار  
 پھوٹ کر مہک اٹھے وادیوں میں چارو  
 اک کرن کی کیا بساط پھر بھی ابیرہ تہہ بہ تہہ  
 اس کی راہ کا غبار بن کے نور در سبو  
 آتش چنار نے آسماں کو چھو لیا  
 میرے شعلہ بلند اک جہاں کو تو بھی چھو  
 یوں ترنگ بن کے ناچ قلب روزگار میں  
 پیکر بہار میں جیسے نشہ نمو  
 میری خاک میں ہے جذب عصر عصر کا پنجوڑ  
 اور میری خاک کی فصل سرو قد ہے تو  
 ہر طرف شمر لٹا خوشہ ہائے زرہ لٹا  
 دشت کے شکوہ میں اپنا کمر و فرلٹا

میری منتر لیں بعید میری مشکلیں شدید  
 میرا شوق بے کراں میرا کام نا تمام  
 جس کے فیض سے مجھے لذت نظر ملی  
 میری راہ کا چراغ اس کی یاد اس کا نام  
 جب سے مجھ کو دل ملا دل کو دھڑکنیں ملیں  
 تب سے میرے دل میں تھا اس کے پیار کا قیام  
 اس کی راہ میں مجھے کتنے ہم سفر ملے  
 ایک منٹ سے ہیں گداز جن کی زندگی کے جام



ان کے گیت موج موج میرے گیت موج موج  
 جاوداں رواں دواں ایک چشمہ کلام  
 کتنے لحن گم ہیں اک لحن دل نواز میں  
 ایک کاٹنات ہے محو سوز و ساز میں

اس کی ابتداء ازل اس کی انتہا ابد  
 درد مشترک کی رو اک طویل داستان  
 ڈوب ڈوب کر آگے دل مثال آفتاب  
 ایک دیپ سے ہوئے لاکھ دیپ ضوفشاں  
 صید ڈھونڈ ڈھونڈ کر پھینکتی ہے اپنے دام  
 اک دل آشنا مہک جنت مشام جاں  
 گاہ شمع انتظار گاہ نغمہ جبر س  
 دھارتی ہے نت نئے روپ روح کارواں  
 زخمی خرام سے ساز رہ گزار میں  
 نت نئی نواؤں کا تازہ دم لہو رواں  
 اس لہو کی آگ میں منزلوں کو جھونک دیں  
 پیار کے ہون میں آؤ سب دلوں کو جھونک دیں

# رسالت

ہوائے بیا بیاں کی سرگوشیاں دھیمی دھیمی  
 کہ دیکھو سحر ہے قریب  
 ہزاروں الم ہائے جاں کاہ کاخوں بہا  
 اس کے آہنگ میں رنگ میں  
 اس کی شبہنم سے بیدار ہر پھول بن کا نصیب  
 سحر ہے قریب  
 مگر میں نے دیکھا سحر کو بہت دور  
 اپنی ابد گیر لذت میں گم  
 گل و برگ و اشجار سے ماورا  
 زمانوں کی رفتار  
 تاروں کے انوار سے ماورا  
 بہت دور یورپ سے لیکن  
 ہوائے بیا بیاں کی سرگوشیوں سے قریب  
 ہزاروں الم ہائے جاں کاہ کاخوں بہا  
 اس کے آہنگ میں رنگ میں  
 اس کے لہجہ کی دلداریاں ہیں عجیب  
 سحر ہے قریب

## جب بھی سحر آئی

جب بھی سحر آئی یہاں  
 بادہٴ گلگوں کا فٹہ  
 ابر کے پیکر میں رچا  
 چشمہٴ سیمیں میں بہا  
 موج کے ساغر میں رچا  
 آتشِ گلزارہ بنا غنچہٴ احمد میں رچا

جب سحر آئی یہاں  
 چاند ستاروں کے شرہ  
 شرق کی لالی میں گھلے  
 اوس کے تابندہ گہر  
 نور کے دھارے میں بھے  
 دشت میں تاحدِ نظر ہال شعاعوں کے تنے

جب بھی سحر آئی یہاں  
 ناچ اٹھی باد صبا  
 جاگ اٹھے نغمہ سرا  
 رنگ اڑے عطر بہا  
 اشک تھمے درد مٹا  
 رات کے خاموش سمندر سے اٹھا سیلِ نوا

جب بھی سحر آئی یہاں  
 اس کا ہی روپ رہا  
 اس کا یہی رنگ رہا  
 رقصِ تجلی کے لیے  
 آئینے کوتاہ پڑے  
 صحن جہاں تنگ رہا وہن بیاں تنگ رہا

کل کی ضیاء آج کی صنو  
 یہ بھی کوئی بات ہوئی  
 جب بھی تھمی وقت کی رو  
 جب بھی کبھی رات ہوئی  
 شعلہٴ تغیر کی لو برقِ صفت تیز ہوئی نور کی برسات ہوئی

جب بھی اٹھا شور درا  
 راہ اُجھلتی ہی رہی  
 قافلہ چلتا ہی رہا  
 چشمہ رِقار سدا  
 موڑ بدلتا ہی رہا  
 سینہ امواج میں اک سیل مچلتا ہی رہا

جب بھی بہار آئی یہاں  
 فطرت رنگیں چمن  
 پھول اُگلتی ہی رہی  
 محفلِ نو ہو کہ کہن  
 شہر ہوں یا دشت و دمن  
 شمع مرے راگ کی جل جل کے پگھلتی ہی رہی

تا کہ نمایاں ہو کبھی  
 قسمتِ آدم کی سحر  
 جس کے لیے شام نہیں  
 جس کے نظارے کو ابھی...  
 تابِ نظرِ عام نہیں  
 جس کے نقیبوں کو کسی دور میں آرام نہیں

# یاد نگر

میں اوس بن کے برس جاؤں تیرے سبزے پر  
میں گیت بن کے تری وادیوں میں کھو جاؤں  
بس ایک بار بلا لے مجھے وطن میرے  
کہ تیری خاک کے دامن میں چھپ کے سو جاؤں

شکستہ گھاس میں یہ زرد زرد تنھے پھول  
نہ جانے کس لیے پگڈنڈیوں کو سکتے ہیں  
انھیں خبر ہی نہیں ان کو چننے والے آج  
گھروں سے دور کسی کیمپ میں سسکتے ہیں

کئی گھرانوں کی فریاد اس میں ڈوب گئی  
اب اس کتوئیں پہ نہ آئے گی کوئی پنہاری  
کسان کھیت نہ سینچیں گے ایسے پانی سے  
ہری نہ ہوگی اسے پی کے کوئی پھسلواری

یہیں ندی کے کنارے اسے دبایا تھا  
مگر شبانوں کو وہ بارہا نظر آئی  
ہٹی جو ریت تو چمکا وہ چاند سا ماتھا  
چلی ہوا تو وہ ریشم سی زلف لہرائی

میں تیرے پاؤں پٹروں ہاتھ روک لے قاتل  
اسے نہ مار جو تیری طرف ہمکتا ہے  
یہ تیغ کو بھی کھلونا سمجھنے والا ہے  
یہ لعل پھینک کے انگارہ چوس سکتا ہے

کہا کسی نے کہ وہ جلد لوٹ آئیں گے  
کہا کسی نے کہ امید اب بہت کم ہے  
الہی ڈوبتے دل کو ذرا سہارا دے  
مرے جراثیم کی لو آج کتنی مدھم ہے

نبولی نیم کی پکی اب آئے گا ساون  
مگر یہ گیت اسے آہ کیسے یاد آیا  
وہ اپنی ماں سے لپٹ کر نہ رو سکے کبھی  
نہ سر پہ ہاتھ کبھی رکھ سکے گا ماں بجایا

سنا ہے نیند میں وہ چو تک چو تک پڑتے ہیں  
 لہو کے داغ تھے تین پر وہ ہاتھ جلتے ہیں  
 پڑوسیوں سے یہ کہہ دو وہ مشعلیں رکھ دیں  
 کہ ایک گاؤں کے گھر ساتھ ساتھ جلتے ہیں

الہی شام اب اس گاؤں میں آنے پائے  
 کہ اس کے آتے ہی دکھیا میں مل کے روتی ہیں  
 درندے اپنے بھٹوں میں دلہنے لگتے ہیں  
 ہوائیں کوہ سے ٹکرا کے جان کھوتی ہیں

دیے کے واسطے ننھے پناہ گیر نہ رو  
 فلک پہ دیکھ وہ قندیل ماہ روشن ہے  
 اسی فضا میں مرے چاند تو بھی ابھرے گا  
 جو تو ہے ساتھ تو غربت کی راہ روشن ہے

طلائی گھاس سے وادی میں تھا تلاطم سا  
 ہوا میں نرم شعاعوں کی سرسراہٹ تھی  
 نیا تھا چشمہ مہر اور نیا تھا رنگ سپہر  
 ہر ایک گوشہ میں لیکن اجل کی آہٹ تھی



ہو انے دیپ بجھایا ہی تھا کہ نکلا چاند  
 قلم کو تیز چلاؤ کہ یہ بھی ڈوب نہ جائے  
 خود اپنے دل کے اجالے کا اعتبار نہیں  
 کہ ایک بار یہ جائے تو پھر پلٹ کے نہ آئے

یہ چاندنی کا اجالا یہ تیم شب کا سکو  
 سفید گنبد و در و دھلیں نہائے ہوئے  
 ستار و کوئی کہانی کہو کہ رات کٹے  
 نہ یاد آئیں مجھے روز و شب بھلائے ہوئے



# فصیل اور نگ آباد

یہ فصیل پارینہ یہ کھنڈر یہ سناٹا  
 کس خیال میں گم سم ہے یہ رہگذار آخر  
 میں یہاں ٹھٹکتی ہوں سوچتی ہوں تھوڑی دیر  
 یہ شکستہ بام و در کیوں ہیں سوگوار آخر  
 گمہ داڑ رہی ہے اب جس وسیع میدان سے  
 اس کو روند کر گذرے کتنے شہ سوار آخر  
 کتنے انقلاب آئے کتنے حکمراں بدلے  
 ہے یہ خاک کس کس کے خوں سے داغدار آخر  
 کھو کے اپنی رونق کو یہ ادا اس دیر آنے  
 کب تلک رہیں گے یوں محو انتظار آخر  
 مدتوں یہاں شاہی روندتی رہی سب کو  
 اور کب تلک چلتا اس کا اقتدار آخر  
 بزم عیش و عشرت میں کیا کسی نے سوچا تھا  
 وقت توڑ دیتا ہے عیش کا خمیسا آخر  
 نشہ حکومت سے کوئی جا کے یہ پوچھے  
 کیوں کھنڈر ہی رہتے ہیں تیری یادگار آخر  
 ماتمی ہوائیں بھی بھر رہی ہیں آہیں سی  
 زیر خاک کس کس کے دل ہیں بے قرار آخر

حوصلوں امنگوں کی اک چتا سی جلتی ہے  
دھیرے دھیرے سینے میں کوئی شے پگھلتی ہے

خود بخود کھنچ آئے ہیں اس طرف قدم میرے  
یہ فصیل اپنی سمت کیوں مجھے بلاتی ہے  
آج اس پہ چڑھ جاؤں اور پوچھ لوں اس سے  
کون سی کھٹک ہے وہ جو اسے ستاتی ہے  
کتنی تند و سرکش ہے یہ ہوا بلندی پر  
پی کے جام سرشاری جھومتی ہے گاتی ہے  
آکے اس بلندی پر دل مرادھڑکتا ہے  
زندگی نشہ بن کر جسم میں سماتی ہے  
سراٹھانے لگتی ہے حسرت پر پر واز  
بے کلی طبیعت کی اور بڑھتی جاتی ہے  
پر سکوں فضاؤں سے پھوٹتی ہے موسیقی  
اک رباب سحر آگیاں زندگی بجاتی ہے  
بے نقاب ہوتا ہے روئے روشن فطرت  
آسماں کی پہنائی اور پھیل جاتی ہے  
چار سو محبت کا سحر چھانے لگتا ہے  
ایک ایک ذرے سے بوئے عشق آتی ہے  
دور کی حسین دنیا آہ کتنی پیاری ہے  
دھیرے دھیرے ہر کلفت دل سے مٹتی جاتی ہے

بڑھ رہا ہے دکھیوں اور روگیوں کا اک سیلاب  
 سامنے وہ چھوٹے سے اسپتال کے اندر  
 گونجتی ہے رک رک کر اک گھٹی گھٹی فسرِ یاد  
 اک دبا دبا سا شور اٹھ رہا ہے رہ رہ کر  
 آفتاب کی کرنیں تابشیں لٹاتی ہیں  
 مست خواب ذروں کو پیار سے جگاتی ہیں

شہر کی ہر اک جانب قافلے پہاڑوں کے  
 اک حصار کی مانند سلسلے پہاڑوں کے  
 ان کی کچھ گچھاؤں میں فن کی سحر کاری ہے  
 ارتقا کی شمعیں ہیں ان کی جلوہ باری ہے  
 چند بے نشاں فن کار اک جھلک دکھاتے ہیں  
 اپنے فن کے پردے میں چھپ کے مسکراتے ہیں  
 پتھروں سے ٹکرا یا عزم آہنیں جن کا  
 ڈھل گیا حقیقت کے روپ میں یقین جن کا  
 کھر دی چٹانوں سے زندگی ابلتی ہے  
 ظلمتوں کے سینے میں روشنی مچلتی ہے  
 ہے ہر ایک ذرے پر مرسم خیال ان کا  
 اک زمانہ حیراں ہے دیکھ کر کمال ان کا  
 مورتوں کو خود اپنا دل دیا زباں بخشی  
 حسن جاوداں بخشا عمر جاوداں بخشی

یہ فصیل ہے سنگم کتنی جوئیاروں کا  
مختلف زمانوں کا مختلف نظاروں کا

ایک سمت کھیتوں کی خوشگوار ہریالی  
فرط سرخوشی سے ہے پتی پتی متوالی  
تنھی تنھی چڑیوں کے دل یہاں بہلتے ہیں  
کھیت کی خوشی سے زمزلے ابلتے ہیں  
کاشتکار کے دل کے سب دے چھپے ارماں  
ان حسین خوشوں کی گودیوں میں پلتے ہیں  
اک ہوا کے جھونکے سے کھیت ہو گئے ترچھے  
جھک کے پھر وہ اٹھتے ہیں گر کے پھر سنبھلتے ہیں  
پھوٹتے ہیں آنکھوں سے تازگی کے سرچشمے  
جاگ اٹھتے ہیں دل میں کچھ نئے نئے نغمے

دوسری طرف اک شہر اک جہان شور و شر  
جھانکتے ہیں پیڑوں کی اوٹ سے ہزاروں گھر  
چمنیاں دھنواں سقف و بام پر اگلتی ہیں  
ایک دھند سی چھائی ہر طرف ہے بستی پر  
اس دھنویں میں ہے شامل بستیوں کی آہ دل  
اس دھنویں میں ہے شامل آرزو کی خاکستر

گو نجاتا ہے غاروں میں سائرِ دل کا زیرِ و بزم  
 بر بطنِ عقیدت پر نغمہ نشاط و غم  
 سرد سرد کچھ آہیں گرم گرم کچھ انفاس  
 مرتعش ہے ہر جذبہ منعکس ہے ہر احساس  
 ضرب تیشہ کی اب بھی آہ ہی ہے اک آواز  
 کہہ رہا ہے صدیوں کے سوز و ساز کا اعجاز  
 ہم نے فتح کے پرچم رفعتوں میں لہرائے  
 تیرگی میں بھی مشعل لے کے ہم اتر آئے

ایک سمت پانی کی لہر لہر رقصاں ہے  
 جھنڈ ہیں سندولی کے اور وسیع میدان ہے  
 اس وسیع میدان میں اک طرف کنارے پر  
 جھیل سے ذرا ہٹ کر ایک شہر ویراں ہے  
 کچھ شکستہ بام و در اور چند سوکھے حوض  
 کچھ مزار خاموشی جن پہ فاتحہ خواں ہے  
 انقلاب دوراں نے سب مٹا دیا لیکن  
 اک عمارت کہنہ آج بھی نمایاں ہے  
 کچھ رفیع مینارے اب بھی مسکراتے ہیں  
 رہروں کو صدیوں کی داستاں سناتے ہیں

دیکھنا رہ دہریس کے ہاتھ کا حسین کنگن  
 جگمگا اٹھا جس سے کوہسار کا دامن  
 جیسے شمع جلتی ہو شام کے اندھیرے میں  
 جیسے چاند ہو محصور بادلوں کے گھیرے میں  
 جوئے شیر کا جیسے پرہتوں میں نظارہ  
 جیسے خشک صحرا میں چھٹ رہا ہو فوارہ  
 تاج کی الگ ہے بات تاج غیر فانی ہے  
 ارجمند بانو کے پیار کی نشانی ہے  
 مقبرے میں دہریس کے ایک ماں ہے آسودہ  
 اک سفید آنچل ہے گم شدہ جوائی ہے  
 اس کے ساتھ لپٹا ہے سایہ کوہساروں کا  
 اس کے ساتھ جمن کی پرسکوں روانی ہے  
 عشق کی فغاں ہے وہ حسن کامراں ہے وہ  
 مامتا کے دامن کی چھاؤں یہ سہانی ہے  
 چاند سی جبیں پر وہ اک سہاگ کا جھومر  
 یہ سفید بالوں کا نور آسمانی ہے  
 وہ ہے اک اچھوتا نقش مرمریں چٹانوں پر  
 یہ سفید پتھر پر اس کا نقش ثانی ہے  
 پیار کے اجالے سے سنگ و خشت تابندہ  
 پیار کے سہارے سے زندگی ہے پائندہ

شاہراہ سے لگ کر اک کہن عبادت گاہ  
 سرنوشت دوراں کا کوئی راز داں جیسے

خوش نہاگرہاں پیکر نقش محکم و سادہ  
 سنگ و خشت میں لپٹا نور خاکدہاں جیسے  
 اس کا صحن بے سرحد عام خاص کا میداں  
 در کشادہ ہر جانب اس کا سائبان جیسے  
 طاق و منبر و محراب سوز و ساز کے ہنگام  
 یوں دکھانی دیتے ہیں، ہوں نہ درمیاں جیسے  
 نقش سجدہ پر قائم اس کی جاوداں بنیاد  
 ہے سرشت انساں میں ایک لونہاں جیسے  
 یاس کے اندھیرے میں اور غم کی راتوں میں  
 اس کا نشاں جیسے صبح کا سماں جیسے  
 چہچہوں سے بچوں کے صحن سٹیرھیاں گلزار  
 کل کی صبح کو ان کا نغمہ اذالہ درکار

اس فصیل نے مجھ کو اک نیا یقیں بخشا  
 سرور اکھ میں جیسے جاگ اٹھے شرارے سے  
 پھوٹتی ہوئی دیکھیں میں نے کچھ حسیں کمرہاں  
 ایک ایک ذرے سے اور سنگ پارے سے  
 کمرہاں ہیں سرگوشی جھنڈ کچھ سندولی کے  
 سوچتے ہیں بڑھ جائیں جا ملیں منارے سے  
 کچھ ہیں ان میں نورستہ شوق نار سا جن کا  
 ہر گھڑی چلاتا ہے ان کے دل پہ آرے سے



شوخ دُشنگ کر نہیں بھی جھیل میں نہانے آئیں  
 بے قرار موجوں پر تاج اٹھے ستارے سے  
 اف کنول کے پھولوں کا یہ تبسم شیریں  
 کانپ اٹھے ہیں شرما کر موج کے اشارے سے  
 زندگی کے اس رقص بے خودی کو چمکانے  
 آگئے ہیں طائر بھی چند پیارے پیارے سے  
 دور پھر وہ گونج اٹھی بانسری کی میٹھی لے  
 سرخیاں جھلک اٹھیں پھر ہر اک نظارے سے  
 کاروانِ مستی ہے دم بدم تپش اندوڑ  
 آرزو کی گرمی سے عشق کے شرارے سے  
 ہم بھی اپنے قدموں کو تیز تیز کر لیں  
 اپنے عزم محکم کو اپنا ہم سفر کر لیں

## ایلو رہ

آج اس دل کو سکون دل گوتم کی تلاش  
دور ویرانوں میں لے آئی ہے

ان گپھاؤں میں کوئی بزم سچی ہے جس کی  
شمع تابندہ ہے گل تازہ ہیں  
جامِ عمر دس میں ہیں ساقی کا کرم ہے سب پر  
بند آنکھوں سے چھلکتا ہے سرور ازلی  
درو دیوار سے ملکر اکے ہوا گاتی ہے  
روشنی تپتے ہوئے مہر کی پابوسی کو  
چاندنی بن کے گذر پاتی ہے  
سحر و شام کے لمحات رواں آتے ہیں  
اور گاتے ہوئے تعظیم سے جھک جھک کے گذر جاتے ہیں  
ہے فضاؤں میں فرشتوں کے پروں کی آواز

دیکھ کر مجھ کو مچلنے لگی ہر لب پہ تبسم کی کرن  
ایک آواز اٹھی

جادو راز ہے یہ رہگذر عام نہیں  
 تشنگی کیوں تجھے لائی ہے یہاں  
 خود تیرے ہاتھ میں کیوں جام نہیں  
 زندگی خود بھی چھلکتا ہوا پیمانہ ہے  
 پینے والے ہوں تو تپچھٹ کی خبر لاتے ہیں  
 آتش جہد کی تندی سے یہ مئے بنتی ہے پیمانہ گداز  
 پینے والے ہوں تو سرمستی جاوید کا سامان بھی ہے  
 کوئی میخانہ ہستی میں تہی جام نہیں

نشہ حسن عمل نے ہمیں سرشار کیا  
 ہم نے اک سوئے ہوئے عہد کو بیدار کیا  
 درد یاراں سے تڑپتے رہے مثل امواج  
 اور پھر ابر رواں بن کے اُٹھے

کھل کے صحراؤں پہ اور دشت و دمن پر بر سے  
 کشت مشرق پہ بہاروں کے وطن پر بر سے  
 نشہ حسن عمل فیض بہاراں بن کر  
 رچ گیا ہر شجر و برگ میں ہر غنچے میں  
 ہم نے اک عہد کو سرشار کیا  
 خود بھی سرشار ہوئے  
 دہر کے محرم اسرار ہوئے  
 اس تصور ہی سے سرمست ہے یہ بزم قدیم

تشنگی کیوں تجھے لائی ہے یہاں  
جادوہ راز ہے یہ رہگذر عام نہیں

میں دھندلے سے نکل آئی پشیمان ہو کر  
نیلے آکاش میں دہکے ہوئے سورج کے تلے  
کتنی اجلی ہے فضاء

بہوش برنائی کی ضو چھنتی ہے نظاروں سے  
وادیاں گونجتی ہیں گرتے ہوئے جھرنے کی جھنکاروں سے  
ناچتی پھرتی ہیں کہیں ہر سو

گرگہ اتی ہے ہری دوب کو آراد ہوا  
دشت میں حسن ہے ہنگامے ہیں معموری ہے  
اور بستی میں وہ سناٹا کہ احساس کا دم گھٹتا ہے  
رہگذاروں میں ہیں چلتی ہوئی لاشوں کے ہجوم  
زندگانی کی سزا ضعف ہے، مجبوری ہے  
گیس و بارود کی بدبو سے فضاء ہے مسموم

انتہا علم کی چنگیزی و تیموری ہے  
عشق ہے تاب و تواں سے محروم  
اور جوانی کا صلہ یا س ہے، مجبوری ہے  
فلک پر قید ہے

صرف حق کہنے میں رسوائی کا اندیشہ ہے  
آبرو و صید ہے  
زندگانی کی فغاں تیز و شرر پیشہ ہے

ہر طرف ظالم و مظلوم ہی ہیں  
 حاکم و محکوم ہی ہیں  
 کس سے پوچھیں کہ ہے انسان کہاں  
 کس سے پوچھیں کہ ہے کیوں آج بھی  
 زندہ ال یہ جہاں

قشنہ لب عہد کو کیا کیا ہیں تقاضے مجھ سے  
 اور خاموش ہوں میں  
 میرے شیشے میں ہیں خواتین آنسو  
 حوصلوں آرزوؤں اور امنگوں کا لہو  
 یہ نہ امت مجھے آبادی سے  
 دور ویرانوں میں لے آتی ہے  
 دیپ غاروں میں جہاں جلتے ہیں  
 اور فطرت کے سکوں نہار میں  
 نعمات حسیں پلتے ہیں ؟

## خوابوں کی انجمن

چار سو فضاؤں پر اک غنودگی چھائی  
 پھر ہوائے جاں پرور مژدہ سکوں لائی  
 رات نے زمانے پر نیند کا فسوں پھونکا  
 دشت و در کونیند آئی بحر و بر کونیند آئی  
 تیز ہو گئیں کچھ اور جھینگروں کی جھنکاریں  
 اوج گنبد شب سے گونج ان کی ٹکرائیں  
 تیرگی کے نرغے میں کانپ کانپ اٹھے تارے  
 کہ رہا ہے روشن تر ان کو خوف پسپائی  
 کارواں ہیں آوارہ انگنت جہانوں کے  
 کوئی حد بھی رکھتی ہے یہ خلا کی پہنائی  
 وقت کا سفینہ بھی دھیرے دھیرے بہتا ہے  
 رات کے سمندر میں ہے عجب سکوں زرائی  
 رفتہ رفتہ چاند ابھرا اور اس کی کرنوں نے  
 کائنات کی ہر شے روشنی میں نہلائی  
 پتیوں پہ پیل کی بجلیاں سی لہرائیں  
 گنبدوں مناروں پر آئی تاب سینائی  
 سایے میں درختوں کے اپنے جاں بننے کو  
 ٹہنیوں سے چھن چھن کر روشنی اتر آئی

خار و خس پہ بھی چمکا نور حسن کا پر تو  
 سامعہ میں گونج اٹھی دھیمی دھیمی شہنائی  
 بہکے بہکے خوابوں کی ہم نشیں ہے بیداری  
 سوز آرزو بندی ہے ندیم تنہائی  
 بزم ماہ و انجم میں کوئی بھی نہیں ہمراز  
 درد کی کسک دے کر سب بنے شمشائی

کسی سے پوچھنے جائیں دل میں یہ چھن کیوں ہے  
 راز جو نظر کیوں ہے راز کا چلن کیوں ہے

تال میں خلاؤں کے یہ کنول سی دنیا میں  
 مضحکہ اڑاتی ہیں جو حیات فانی کا  
 کون ہیں مکین ان کے کیا ہیں کیش و دیں ان کے  
 دائرہ ہے کس حد تک ان کی حکمرانی کا  
 کیا ملی ان کو بھی درد عشق کی دولت  
 یا خرد کو دعویٰ ہے دل کی پاسبانی کا  
 دھوپ چھاؤں کی مانند کیا وہاں بھی جاری ہے  
 کھیل مرگ و پیری سے طفلی و جوانی کا  
 خیر و شر کی ٹکڑی میں کیا وہاں بھی رہتا ہے  
 قیصری کی سطوت سے معرکہ شبانی کا

ہفت رنگ سورج ہیں ان فضاؤں میں تاباں  
کیا اثر ہے ذروں پر ان کی صنوفشانی کا

ہو نمود ہستی کی شکل کوئی بھی لیکن  
تاب و تب ہی عنوان ہے زیست کی کہانی کا  
ایک اک جہاں میں ہم ایک اک جہنم پائیں  
تب سمجھ سکیں شاید راز زندگی کا  
امتحان نئے ہوں اور رنج و غم انوکھے ہوں  
ایک اک رخ دیکھیں جو یہ آسمانی کا  
مثل موج مٹ مٹ کہہ زندگی ابھر آئے  
ساتھ دے سکیں پیہم وقت کی روانی کا  
جستجوئے سرگشتہ شاید ان فضاؤں میں  
پاسکے کہیں اک دیس حسن و شادمانی کا

کوئی دھندلا دھندلا سا گنگنا تا سیارہ  
جستجو میں ہو اپنی بدلتوں سے آوارہ

اس کی صبح روشن ہو اس کے دن ہو چمکیلے  
شام لالہ پیکر ہو شب سیاہ کیسو ہو



برف پوش پرست ہوں نیلے نیلے ساگر ہوں  
 بن گھنے ہوں اور ان میں کویلوں کی کو کو ہو  
 اس کے سبزہ زاروں میں آئینے ہوں جھیلوں کے  
 بکھرے بکھرے ریوڑ ہوں اور نئے کا جادو ہو  
 اس کے گلستانوں میں رنگ و نعم کے طوقاں ہوں  
 موتیا کے کلیاں ہوں کیوڑے کی خوشبو ہو  
 اس کی داستانوں میں ہو وقارہ صدیوں کا  
 ان میں ہو کوئی پر تاب ان میں کوئی ٹیپو ہو  
 بدلیوں کے سائے میں معبد اور شوالے ہوں  
 ہوں صنم کچھاؤں میں تاج اک لب جو ہو

کھیت لہلہاتے ہوں ندیاں چھلکتی ہوں  
 پنگھٹوں پہ پیتل کی گاہریں چمکتی ہوں

بستیاں نہ جلتی ہوں کارواں نہ لٹتے ہوں  
 در بدر نہ پھرتے ہوں خانماں بدوش اس میں  
 ڈھل نہ جائے اشکوں میں ڈھل نہ جائے آہوں میں  
 گونجتا جو آیا ہے نغمہ سروش اس میں  
 گمہ پڑے نہ خود اس کی برق اس کے خرمن پر  
 منرہ نہ آدم کا ہو سیاہ پوش اس میں

سب نہال گلشن کے بے جھجک پھٹیلے پھولیں  
شاخِ گل کو اپنے گل ہوں نہ بارِ دوش اس میں

ملگجے دو پٹوں میں ہوں دھنک کی رنگینی  
ہر سکھی مسرت کے گیت گائے ساون پرہ  
کیوں سموم کی مانند کوہ و دشت میں بھٹکیں  
بن کے ایرمنڈ لائیں زندگی کے گلشن پر

کنج بے نوائی میں لب کشائی کا دستور  
راکھ راکھ دل روشن دھڑکنوں سے ہوں معذور

بہتے بہتے خوابوں کی آبِ جوئے سیمیں پر  
ناگہاں حقائق سے میری ناؤ ٹکرائی  
کھو گئے وہ روشن خواب ایک آن میں جیسے  
خوف جاں سے رم کر جائیں آہو ان صحرائی  
اے وطن بتا تجھ کو چھوڑ کر کہاں جائیں  
تیرے ذرہ ذرہ سے ہم نے روشنی پائی  
دل کی دھڑکنوں میں ہے رات دن یہی دھڑکا  
کل کے دن کہاں نازل ہوگی شام تنہائی

بے قرار ہے دل میں شعلہٴ بار ہے دل میں  
 اک فغاں کہ ہے جس میں فصلِ گل کی رسوائی  
 اے بہشتِ گم گشتہ تجھ میں تجھ کو ڈھونڈے گی  
 تجھ میں تجھ کو پائے گی میسری آبلہ پائی

سازگار ہو گا پھر وقت یا نہیں ہو گا  
 اب تو جو بھی ہونا ہے فیصلہ یہیں ہو گا



## سیتا

تیرا نام لے کر سحر جاگتی ہے  
 ترے گیت گاتی ہے تاروں کی محفل  
 تری خاک پاہنہ کا راز عظمت  
 تری زندگی میرے خوابوں کی منزل  
 کہانی تری سن کے تھرا اُکھٹی میں  
 دھڑکنے لگا دھیرے دھیرے میرا دل

چھپائے ہیں سینے میں کچھ راز اپنے  
 دکن کے کہتاں کی تپتی چٹانیں  
 مسافر کچھ آئے تھے ان جنگلوں میں  
 فضا میں ہیں بکھری ہوئی داستانیں  
 وہ ہمدرد آنکھیں وہ باتوں میں جادو  
 وہ مضبوط بازو وہ بھاری کمانیں  
 وہ اک خود فراموش پنی کی بیجارن  
 کٹی پتیوں کی ندی کا کنارہ  
 نگا ہوں سے چھنتا ہوا نور الفت  
 جبیں پر فروزاں وفا کا ستارہ

برستے ہوئے پھول خوشیوں کے ہر سو  
زمانہ بھی تھارک کے نحو نظارہ

وہ پیہم سفر وہ حوادث کے طوفاں  
وہ پیروں میں چھائے وہ ہنستی لنگا ہیں  
کبھی دل کو غربت میں بہلائے رکھتا  
کبھی دیس کی یاد میں سرد آہیں  
رہی سالہا سال تو جا رہا پیما  
یہ دھن تھی کہ طے ہوں ریاضت کی راہیں

مگر آزمائش تھی کچھ اور باقی  
ابھی سامنے اور بھی امتحاں تھے  
اسیری پھر اک راکشس کی اسیری  
بہت دور تجھ سے ترے پاسباں تھے  
تری پاک فطرت مگر اک سپر تھی  
ترے سامنے راکشس ناتواں تھے

اُٹھے پھر ترا نام لے کر جواں کچھ  
جری حوصلہ مند سچے جیالے

ہلا ڈالے ایوان اک سلطنت کے  
 ترے پاسباں تھے بڑے آن والے  
 تری واپسی کر رہی تھی یہ اعلان  
 کہ مٹتے نہیں ظلمتوں سے اُجالے

سہے جو ستم بن گئے سب فسانہ  
 تلافی کا اب آ رہا تھا زمانہ  
 ہوئی آہ لیکن یہ کیسی تلافی  
 دوبارہ ملا جنگلوں میں ٹھکانہ

صلیب ایک باقی تھی جو مامتا کی  
 اسے بھی تو لازم تھا تنہا اٹھانا  
 عجب ہیں یہ اسرار وصل و جدائی  
 کہ منزل کو پا کر بھی منزل نہ پائی  
 یہ کیسا ستم تھا کہ عفت کی دیوی  
 ثبوت اپنی عفت کا دینے کو آئی  
 وہ شعلے کی مانند شعلوں سے گزری  
 وہ بجلی سی بن کر زمین میں سمائی

# زیر چرخ کہن

نیم شب قہقہہ بوم کا  
گو بختا گو بختا  
آسمانوں سے ٹکرا گیا  
چاندنی کی چمک تیاگ کر  
چاند جلتا رہا  
اک سفاک دل  
کس خشونت سے ہنستا رہا  
جیسے اپنا خدا ہی نہیں

کوہساروں پہ مرقوم  
صدیوں کی شہنائیاں  
شور ناقوس و بانگِ ازاں  
پتے پتے پہ منقوش چہکاریں  
چشموں میں ڈوبا ہوا لحن نئے  
سب ہی دم سادہ کر چپ رہے  
اور تاروں جڑا گنبد بے ستوں  
بے تعلق سا تکتا رہا

زیر چرخ کہن کس طرح دل مراخوں ہوا

## در ماں

کل تک جس چشمے کے کنارے ہریالی کے میلے تھے  
 آج وہاں پہنچے تو دیکھی ریت کی لمبی راہ گزار  
 کچھ دہکی دہکی سی چٹانیں کچھ سیسپیں بکھری بکھری  
 دھول میں انگاروں کی طرح لودیتے رنگ برنگے گار  
 کب چھلے گھر گھر کے گھٹا اور کب برسے تم تم کے پھوار

کل تک میدانوں میں جڑے تھے پھیلوں کے تابندہ بگیں  
 جن کا تعطر عیسیٰ دم تھا جن کا تبسم شہد آگین  
 کل تک خنداں تھے وہ کنول اور آج نظر آتے ہی نہیں  
 کل تک چہکارس زندہ تھیں ان بڑیاں ٹیلوں کے قریں  
 اب پھر کب موسم کا گرم ہو اب پھر وقت ہو کب شیریں

سو کھی گھاس میں چوٹکاری ہی پڑے کچھ تو ہنگامہ ہو  
 کچھ تو رنگ اڑے وادی میں کچھ تولے آنکھوں کو قرار  
 فرقت باد بہاراں میں ویرانے آہیں بھرتے ہیں  
 کتنے چمن سینے میں چھپاٹے چُپ چُپ ہیں کلیوں کے مزار  
 کون کرے آندھی میں اڑتے آوارہ پتوں کا شمار



اک راہی کہتا ہے ہم بھی دیکھیں وہ شاداب ارم  
جس کی مہک نغمہ سے تمھارے اب تک پھنتی ہے یہ ہم  
کیسے کہیں ہم کو جھٹلاتے ہیں اس نگہی کے موسم  
بارش فیض یہاں کم کم ہے شعلہ دل مدھم مدھم  
پھر بھی اس ویرانے میں ہم بیٹھے ہیں با چشم شم

اس کی باد معطر کا رس قطرہ قطرہ پی کے پلے  
شبِ نیم کی ہلکی سی نمی بھی پائی تو اس میں ڈوب چلے  
کرنوں کا پیغام سنا اور شعلہ بن گلشن میں چلے  
موسم کی سنگینی جھیلی چوڑے ہوئے آلام تلے  
پھر بھی ہم نے داغ چھپائے پھر بھی ہم خوشبو میں ڈھلے

موسم اک اندازِ نظر ہے موسم اک کیفیتِ دل  
اک تصور سے ہنستی ہے ذہن میں غنچوں کی محفل  
اک خیال سے بھگی آنکھوں میں ہے اشکوں کی جھل  
گاہ اندھیری راتوں میں ہم مہربکف اور ماہِ بدل  
گاہ سنہری دھوپ میں راہیں گم اور ناپیدا منزل

رنگ پریدہ نکہت رفتہ لوٹ آئے ممکن ہی نہیں  
 پھر سے کشیدہ نکہت و رنگ کا سماں ممکن ہو تو کرو  
 اس پتھر اٹے ہوئے احساس کا درماں ممکن ہو تو کرو  
 ہم ورنہ صحرائے فراموشی میں کھو جائیں نہ کہیں  
 پیار کی کرنو! اس منزل کو آساں ممکن ہو تو کرو

دل کی وسعت خوب ہے لیکن دلوں نہ بنے ویران خلا  
 جس کے دامن سے ہر جگہ ہر تار اٹوٹ کے جھڑ جائے  
 اس سناٹے میں ہم ڈوبے تڑپے اور ابھر آئے  
 ہم سے نشیب کے اجڑے دشت رفاقت نے آنسو مانگے  
 ہم عظمت کے پریت کے شکھروں کو چھو کر لوٹ آئے

ٹوٹا رشتہ دل پھر جوڑا بہتے گاتے زمانے سے  
 نظم دہر سے تغیر موسم کی کچھ امید بندھی  
 کچھ تسکیں کا اجالا اترے انور ازل کے خزانے سے  
 کچھ خاموش نگاہوں نے دکھ پہچانا غم خواری کی  
 دل معصوم بہت تھا اپنا بہل گیا بہلانے سے

## خلد آباد کی سرزمین

”خلد آباد اور نگ آباد سے چند میل کے فاصلے پر ایک بستی ہے جن پہاڑیوں میں ایلور کے غار ہیں انھیں پر یہ بستی بسی ہوئی ہے۔ حضرت نظام الدین اولیاء نے اپنے جن شاگردوں کو دکن روانہ کیا تھا ان کی ایک بڑی تعداد اسی سرزمین میں محو خواب ہے۔ کبھی اس جگہ کو دکن کا کشمیر کہتے تھے۔“ (شعری)

کوہساروں کا اودادھواں نیلے آکاش کا راز دار  
خامشی تہہ بہ تہہ موج موج جیسے اک قلم بے کنار  
رنگزاروں میں بوئے خرام اور ہوا میں اُنگوں کا جوش  
ان فضاؤں میں ہے بے نقاب زندگی کا جمال و وقار

خلد آباد کی سرزمین گنبدوں مرقدوں کی امیں  
تیری شاموں میں خوابوں کے رنگ تیری صبح میں خیالوں کے روپ  
تیرے پیڑوں کے سائے تلے کھیلتی ہے ہوائے بہشت  
راگنی سے سچل تیری چھاؤں چاندنی سی جہیں تیری دھوپ

تیری مٹی میں غلطاں نجوم چرخ کے اختروں سے سوا  
 تیرے چٹنے کبھی تشنہ لب لالہ زاروں کے غم خوار تھے  
 لہلہاتی تھی کشت ہمنہ مسکراتا تھا گلزارِ عشق  
 کچھ مسافر یہاں خیمہ زن مثلِ ابر گہریار تھے  
 ان کی آنکھوں میں تسخیر کا سحر تھا جادوئے مہر تھا  
 ان کے قصر سرا فراز میں باد شاہی کے انوار تھے  
 جبرِ پیہم نے جب بھی لیا تاب گفتار کا امتحاں  
 ان کے نعرے فضا میں بلند ان کے لاشے سردار تھے  
 دن کو تھے دستِ بخار شکن رات اُہ شبگیر تھے  
 خواب میں تھا زمانہ مگر حوصلے ان کے بیدار تھے  
 دادیو! کتنے سورج ہوئے اس پہاڑی کے پیچھے غروب  
 تم کو لازم تھی اُہ و فناں اور اُنھیں ڈوبنا تھا ضرور  
 یہ حقیقت کی بستی ہے یا کوئی دھندلی سی اقلیم خواب  
 دو نفس جس میں پر چھایاں اوڑھتی ہیں روائے ظہور  
 یادِ صرصر کی زد میں قطار چلتے بجھتے چہراغوں کی ہے  
 گاہ پیچاں ادھر موجِ دود گاہ جوشاں ادھر سیلِ نور  
 صبح تاریخ کی روشنی پر بتوں پر بکھرتی ہوئی  
 تیشہ ہائے پیاپے کی گونج رقص کرتی ہوئی دور دور  
 بیت تراشوں کی پر چھایاں مت نظارہ دیوانہ وار  
 پتھروں سے چھلکتا ہوا پیار کا مدھ ہنر کا غور

گاہ پیڑوں کے سایے تلے جلوہ آگہی کی نمود  
 باد صحرا میں جھلتی ہوئی مشعلِ فطرتِ ناصبور  
 قرنہا قرن گاتار ہا برہمن اپنے شیریں بھجن  
 نسل ہا نسل بٹتار ہا جامِ گوتم کا کیف و سرور  
 سا لہا سال گونجا یہاں نغمہ مصطفیٰ جس کا سحر  
 رشکِ آموز زلزالِ صور رشکِ آموز سازِ نشور  
 اہل توحید کی محفلیں محو تاب و تب و در و دواغ  
 ہر گچھا پر حرا کا گماں ہر پہاڑی پہ الوار طور

دیپ مالا مہ و مہر کی جگمگاتی راہ میں  
 اور کرتے رہے قافلے حدِ آفاق ہستی عبور  
 راہ پیما ہے یہ کائناتِ صورتِ نہت و رنگ و نم  
 ہے رواں مثل موجِ نسیم کا رواں شہور و دہور

میٹ کر تیرے آثار کو بڑھ نہ جائے زمانے کا سیل  
 میرے نغمے میں ہو جا مقیم میرے اجداد کی سرزمین  
 میری بیتابی آرزو تیرے ساغر سے سیراب ہو  
 یہ بھٹکتی ہوئی زندگی تیرے اسرار کی ہوا میں  
 اس بیاباں کی پر سوز خاک میرے ماتھے سے چھٹنے نہ پائے  
 گھر کے آفات میں کھونہ دوں ہاتھ سے تیرا دامن کہیں

عصر ہا عصر بٹا رہے در شہرہ نور دان شوق  
جن کے نقش قدم سے تری داویاں شک ایمن ہوئیں

خدا آباد کی سرزمین چیخ اٹھی ہو کے بے اختیار  
چیخ اٹھا ہو کے بے اختیار اس کے غم گین دل کا نرود  
کہ رہی ہے کہ اے راہ رو میری مٹی کو پیہم نہ چوم  
اس فضا کی گھٹن بھی تو دیکھ جس فضا سے ہے دل کی کشود  
اک جہاں تھا جو گم ہو چکا اک جہاں ہے جو نا دیدہ ہے  
اے آنکھوں کی ویرانیاں جیسے اقلیم عاد و ثمود  
تو نے دیکھی تو ہو گی یہاں کاروبار گدائی کی دھوم  
تو نے دیکھا تو ہو گا یہاں نیند میں کاروان دھود  
غنیچہ، نوش گفتم سے نرم ہاتھ کشکول تھامے ہوئے  
خاک و خوں میں تڑپتا ہوا کتنی صبحوں کا رنگ نمود  
ان نظاروں سے میرا دیار داغ دامن عالم بسنا  
ان نظاروں نے بکھر دیے میری تقدیس کے تار و پود  
لاالہ و گل کے رنگین ڈھیر کھوچلے اپنی شیریں ہک  
کھوچلے اپنی شیریں ہک ضدل عطر دلو بان غود  
نے بہار گزشتہ کے نقش نے نئی فصل کی آہٹیں  
مدتوں سے نہیں ہے یہاں مژدہ در طاروں کا درد

آگریں مل کے اے راہ رو اپنی فریاد پہنہاں بلند  
پھونک دیں صبر کی کشت کو جس کا حاصل زیاں ہے نہ سود

خلد آباد کی سرزمین! مجھ کو فریاد کی خو نہیں  
میرے گزرے ہوئے روز و شب میری آنکھوں کے منسو نہیں  
جن امنگوں کا خون ہو چکا ان کا مدفن یہ پہلو نہیں  
(جو امنگوں کا اک سیل تھا میرے سینے میں وہ دل تو ہے)

مجھ کو دیدار کی تشنگی مجھ کو نظاروں کی پیاس ہے  
چند جلوے ہوئے گم تو کیا چشم بینا مرے پاس ہے  
میری نظریں سلامت رہیں مجھ کو نظاروں کی آس ہے  
(میری نظریں سلامت رہیں میری کھیتی کا حاصل تو ہے)  
ان کی محفل نہیں ہے نہ ہوں تو ہوں میری محفل تو ہے  
ان کی محفل کا نور دسروں میری محفل میں شامل تو ہے  
آرزو میری بھر پور ہے میرا اخلاص کا مل تو ہے

(جو امنگوں کا اک سیل تھا میرے سینے میں وہ دل تو ہے)  
تیرے ساگر کی ایک ایک لہر تیرا آب بقا تیرا زہر  
تیرا ہر دور ہے مجھ میں گم میری فطرت ہے دارائے دہر  
سرخ ایجاد سے کوئلیں بھوٹی بھی ہیں جھڑتی بھی ہیں  
سب کے ہونٹوں پہ مٹی کا رس سب کے دل میں رواں خون ہر

بہل آرزو دل دہی میری راہوں کی منزل وہی  
 آج بھی منتظر ہیں مرے معرکے کچھ درائے پہر  
 میں منادی کروں گی ترے گنج پنہاں کی بازار میں  
 لے اڑوں گی مثال صبا میں تیرے عطر کو شہر شہر

آج تک میں جلاتی رہی تیرے در پر مرادوں کے دیپ  
 آج سے میرے نغمے میں تو اپنی شمع مقدر جلا  
 میری آواز کے سوز میں شعلہ جاوداں بن کے جل  
 گھٹ کے ان وادیوں میں نہ رہ صدا فاق تک پھیل جا  
 تیرے رنگ کہن کے بغیر نقشِ عصر رواں نا تمام  
 نقشِ عصر رواں کے بغیر تیرا رنگ کہن بے بقا



# سمتوں میں

اک پگڈنڈی سے ہنستے گاتے آئے  
 اک دور ہے پر ان میں تکرار ہوئی  
 جیت گئے آدرش کے تارے جیت گئے  
 ہار ہوئی یرسوں کے ساتھ کی ہار ہوئی

مل کر کھیل رہے تھے کچھ جگنو دیکھے  
 جوشش تعاقب نے ان کو دیوانہ کیا  
 بکھرے اٹھ کر جدا جدا میدانوں میں  
 معصوموں کو سمتوں نے بیگانہ کیا

تیند میں ڈوبی چھاؤں گھنے پیروں کے تلے  
 اپنی خنکی کی چھاگل چھلکاتی ہے  
 لیکن دم لینے کو ذرا بھی ٹھہریں تو  
 پھڑے ہمسفروں کو یاد دلاتی ہے

ان سمتوں نے آنکھوں کو آنسو بجھے  
 ان سمتوں سے رسم جدائی عام ہوئی  
 ان سمتوں کا حال سنانے بیٹھیں تو  
 ہر بن مو سے خون کی بوندیں ٹپکیں گی

سب کو اپنا اپنا گیت سناتا تھا  
 سب کی آنکھوں میں اک خواب سہانا تھا  
 جس نے مہک تعبیر کی جس جانب پائی  
 اس کو ادھر ہر حال بڑھتے جانا تھا

ان سمتوں سے بھرم رفتار کا ہے قائم  
 ان سمتوں سے بچ کر جائیں بھی تو کہاں  
 ان سے پرے نروان کی سونی نگری ہے  
 اور اگم طوفانوں کا ہے زیست یہاں

راہی سب سے روٹھو لیکن مت روٹھو  
 اپنی میٹھی اور منو ہر بانی سے  
 اس الجہ سے جس پر سب مفتون ہوئے  
 جس کی بدولت لگتے ہو لاثانی سے

ذہن بکھرتے ہیں چھٹکے تاروں کی طرح  
 اپنے حلقوں میں اپنے انوار لئے  
 لیکن دل = موجیں ہیں ایک ہی دریا کی  
 ایک ہی نغمہ کے گہرے اسرار لئے

راہی یوں نہ سمجھنا بازی ختم ہوئی  
 جہنم جہنم ہم راہوں میں ٹکرائیں گے  
 جہنم جہنم چمکیں گے اشارے سمتوں گے  
 دل کی قسمت کے تارے گہنائیں گے

## مسافر پرند

افق تا افق نیلگوں آسماں  
 مسافر پرندوں کی منزل کہاں  
 بہت دور پیچھے کو اس بھر کے ماوراء  
 اترتی رہی برف، جمتی رہی تہہ بہ تہہ آشیانوں کے پاس  
 تب نظارے نظر آشنا  
 اذن آوارگی زاد افسردگی دے کے تھرائے با چشم تر

کہ شاید بہت دور آگے کو  
 اس بھر کے ماوراء  
 زمرہ جڑے ساحلوں نے سنا ہو سلام عید کا  
 دھوپ کے جشن آہٹیں  
 نغمہ گرم خورشید کا

افق تا افق نیلگوں آسماں  
 کوئی شاخ گل ہے نہ کوئی منڈیر  
 گھڑی دو گھڑی پنکھڑی جیسے پر جوڑ کھینچ جائیں جہاں  
 گھڑی دو گھڑی چہچہائیں جہاں

کوئی اپنے دکھتے پروں کو سمیٹے اگر راہ میں گر گیا  
ذرا بھی فضاؤں کا دامن نہ بھیٹکا

نہ وحشی ہواؤں کا طوفاں رکا  
ستارے بدستور نیلا ہٹوں میں چمکتے رہے  
مثل گرہ داب گرہاں شب و روز کی چرخیاں  
مسافر پرندوں کی منزل کہاں

بہت دور پیچھے کو اس بحر کے ماورا  
ہر نئی دلکش آگنی منجمد  
زیر اہرام تیخ محو خواب  
ساز نہروں کے دربار فصل بہار اں کے  
تالوت صدر رنگ ٹیلوں کے پھولوں کے  
تاج و گہر  
منجمد زندگی کی فغاں

بہت دور آگے کو اس بحر کے ماورا  
وہ اک روشنی کا جہاں  
وہ اک گل پس خار زار  
وہ اک دانہ زیر دام  
اسے دیکھنا اور ٹھٹھکنا بھی کیا چیز ہے

مگر آہ اس موڑ پر آج پرواز و آواز ہی  
 حاصل مشقت پر  
 حاصل دستاں پر

# خلا بیکراں

تہی نور سے تہی تار سے  
تہی وقت کے سب اسرار سے  
نخس سرد مشنوم

گھٹا، چاندنی، دھنک کہکشاں  
کوئی راہرو، کوئی کارواں  
نہیں اس کا مقسوم

نہ تھا کچھ نہ ہے نہ ہو گا کبھی  
سبھی بی کے اک گھنی تشنگی  
ہوئی خود بھی معدوم

دل بے ثمر، رہ بے سفر  
شب بے سحر کا اجڑا کھنڈر  
عبادت گہہ یوم

خلا بیکراں، خلا سے اماں  
بنام شرف جو پھیلا یہاں  
سبھی کو معلوم ہے

## صداءِ صحرَا

سکھی پھر آگئی رت جھولنے کی گنگنا نے کی  
سیہ آنکھوں کی تہہ میں بجلیوں کے ڈوب جانے کی  
سبک ہاتھوں سے مہندی کی ہری شاخیں جھکانے کی  
لگن میں رنگ آنچل میں دھنک کے مسکرانے کی  
امنگوں کے سب سے قطرہ قطرہ مئے ٹپکنے کی  
گھینرے گیسوؤں میں آدھ کھلی کلیاں سجانے کی

بیاباں سبزہ نوخیز سے آباد ہوتے ہیں  
سکھی تم بھی جو دل اپنا بسا لیتیں تو کیا ہوتا  
حیا ہے خوف ہے پندار ہے ضد ہے یہ کیا شے ہے  
تم اس خود ساختہ زنداں کو ڈھا دیتیں تو کیا ہوتا  
ہمیشہ التجائیں رائگاں جاتی رہیں میری  
کبھی میری خوشی کی بھی دعا لیتیں تو کیا ہوتا

یہ کیسی آگہی ہے جس کی مشعل ہاتھ میں لے کر  
سد اتنہائیوں کے دیس میں پھرتی ہو آوارہ



یہ اک بیم شکست خواب یہ چھو لوں تو کیا ہوگا  
 اسی سے ہو گئی ہر عشرت موجود صد پارہ  
 بجز اک روح نالاں چشم حیراں عمر سرگرداں  
 نہیں تقصیر پر وازہ نظر کا کوئی کفارہ

قصرِ اقلب زار ہند اور یرنائی یوناں  
 تجلی آل ابراہیم پر پیہم جو اتری تھی  
 تڑپتا شعلہ گوں خوں جاہلیت کی نواؤں کا  
 چمک ریگ رواں کی سر بلندی نخل صحرا کی  
 دیارِ حافظ و خیام کی اڑتی ہوئی خوشبو  
 نگاہ غالب و اقبال کی گیتی شکن مستی

سرور جستجو مغرب کی متوالی ہواؤں کا  
 سبھی پایا مگر درمان درد بے بسی مشکل  
 یہ اک آسودگی چہرے پہ، یہ ٹھہراؤ آنکھوں میں  
 یہ اشکوں سے بھری چھاگل، یہ بے پرداؤ خود سر دل  
 چٹاں ہو؟ دہر کی آتش کو چھو کر بھی نہیں پگھلیں  
 نہ جانے کون سے اجزاء ہیں اس افتاد میں شامل

یہ نرمل بھل کا چشمہ یہ دل بے قید و بے پایاں  
 اسے بھی سمت ملتی اس کی بھی اک رہ گزرتی ہوتی  
 شباب اپنے جلال حشر سا ماں کی قسم کھاتا  
 شرافت بے زبیاں فطرت کے دکھ کی چارہ گزرتی  
 نہ ہوتی آرزو نیرنگ ہستی کی تماشا شانی  
 وہ اس بڑھتے بھکتے کارواں کی ہم سفر ہوتی



## زوال عہد تمنا

ہوا میں اڑتا ہے کاجل فضا ہے حزن سے بوجھل  
 ہر ایک کنج کی پھیل کہر میں ڈوب چلی ہے  
 وہ کہکشاں ہے وہ اس پر سحاب نور کا باراں  
 یہ اپنا خاک بسر گھر یہ اپنی تیرہ گلی ہے  
 وہ ماہ نکلا پہ اس کا فروغ بہر فلک ہے  
 نصیب ارض تو شاید تکدر ازل ہی ہے  
 نہ جانے کب سے خیالوں میں اپنے محو کھڑی ہے  
 وہ اک سکھی جو نزاکت میں موتیا کی کلی ہے

نہ پھول بالوں میں گوندھے نہ گھر میں دیپ جلایا  
 شریک غم نے منایا مگر نہ ان سے منی وہ  
 وہ تھک کے لیٹ گئے خواب کے نگر کو سدھارے  
 مگر دریچے میں اپنے کھڑی سسکتی رہی وہ  
 ستارے کرتے رہے چشمکیں تو کچھ بھی نہ بولی  
 کہ ایک شاخ تھی غنچوں کے خوں میں ڈوبی ہوئی وہ  
 نہ جانے دانش و دین و ہنر کا نرخ ہو اب کیا  
 روان پاک کی قیمت تو جگ میں ہار گئی وہ  
 نہ ڈھونڈ پائی مہر واءے زخم زار تمنا  
 سمجھ سکی نہ تقاضائے عہد طفل کشی وہ

افق سے تابہ افق زرد نامراد بگولے  
 افق سے تابہ افق اک مہیب سوگ ہے طاری  
 افق سے تابہ افق سنگ دل کٹھور چٹانیں  
 ہر ایک سحر ہے صیاد ہر طلسم شکاری  
 ہر ایک جادہ میں بوسیدہ استخوانوں کے ٹکڑے  
 کہیں ہے سوختہ محل کہیں شکستہ عماری  
 نہ جہل سے کوئی ڈھارس نہ آگہی سے تسلی  
 نہ وقت نالہ و زاری نہ ہوش زخم شماری  
 نہ کوئی تند انھیں اپنی جھونپٹری میں پنہ دے  
 جو شیا م لاڈلے کل تھے وہ آج سب پہیں بھاری  
 نہ ان کی آگ سے گلشن کوئی ظہور میں آئے  
 نہ ان کے پاؤں رگڑنے سے رود آب ہو جاری  
 نہ ان کو تیرہ کنویں سے نکالیں قافلے والے  
 نہ نیل وقت کی موجوں کو ان کی جان ہو پیاری  
 نہ ان کے دامن عصمت کو تھام لینے سے چھائیں  
 گھٹائیں تشنہ دہن بانجھ وادیوں پہ ہماری  
 نہ ان کی چشم کرم صرصر و سموم میں گھولے  
 صفائے باد سحر دم سرور باد بہاری

ہر اک امنگ کی تتلی نے جیسے جوگ لیا ہے  
 ہر اک امید کے جگنو نے تن پہ راکھ ملی ہے

ہزار سالہ مسافت خیال و وہم و گماں کی  
 اور اس کے بعد بھی پنہاں شعاع لم یزلی ہے  
 جو آس تیرہ گپھاؤں میں جنگلوں میں تھی رہبر  
 وہ جگمگاتی ہوئی نگہیوں میں روٹھ چلی ہے  
 یہ مامتا ہے کہ شعلوں میں کوئی پھول کی پتی  
 حیات ہے کہ ابھاگن یہ کوئی کوکھ جلی ہے  
 یہ کائنات ہے کتنی عظیم کتنی کشادہ  
 مگر ہمارے تصور کے تنگنا میں ڈھلی ہے  
 نہ جانے کب سے خیالوں میں اپنے محو کھڑی ہے  
 وہ اک سکھی جو نزاکت میں موتیا کی کلی ہے



## فصل نیک قال

اب انتظار کی گھڑیاں گراں نہیں ہوں گی  
وہ میرے فصل گزشتہ کے ہم صغیر آئے  
چہک رہے ہیں گھنی ٹہنیوں میں چھپ چھپ کر  
یہ مجھ کو موسم گل میں کبھی نہیں بھولے  
ہمیشہ یاد کی زنجیر میں اسیر آئے  
ہر اک بہار میں با نغمے و نفیر آئے

اسی جہاں میں کچھ ایسے بھی لوگ رہتے ہیں  
کہ جن کو ملتی نہیں ایک دوسرے کی خبر  
رتیں بدلتی ہیں موسم خرام کرتے ہیں  
بھڑک کے شمع رہ انتظار بجھتی ہے  
کہیں سے کوئی سندیسہ نہ پر سش احوال  
عجب اندھیرے میں ہم صبح و شام کرتے ہیں

بہاڑیاں ہوئیں کو کو کی گونج سے معمور  
بقدر ایک شرر اک دل اور اس کا یہ دم خم

کہ جان کھینچتی ہے گویا ہر ایک تان کے ساتھ  
 کہ گھٹ رہا ہے دھنواں بن کے دل میں شعلہ و غم  
 یہ کیسی شکل ہے یارب جہاں میں بھینے کی  
 کہ ہر نفس ہو نئی موت اور تازہ جنم

مجھے خبر نہیں پنچھی ! خبر نہیں مجھ کو  
 تجھی کو کوئی پتہ ہو تو مجھ سے کہہ دینا  
 کہ دیس دیس کی پرہ وازہ کام ہے تیرا  
 کہ ہر نواح کی خوشبو ترے مشام میں ہے  
 تری نوا کے تسلسل میں جس کا نام ہے گم  
 نہ پوچھ مجھ سے کہ وہ ماہ کس مقام میں ہے

وہ تاجدار چمن فصل گل کی شہزادی  
 اگل رہی ہے لہو دیر سے ہے فسادی  
 ارے ارے کہیں شق ہو نہ جائے دل اس کا  
 وہ اس کا ضبط وہ اس کی تڑپ وہ اس کا خروش  
 اک آبشار نوا گہ رہا ہے تخم تخم کر  
 کبھی یہ زمزمہ و لکشا نہ ہو خاموش

ذرا سی ننھی سی متقار کی نئے نازک  
 لٹکھا رہی ہے خماروں کے خم خیالوں میں  
 اٹھ رہی ہے خنک کوئیوں سے شیریں آنچ  
 لہو تپاں ہے شگوفوں کے سرخ گالوں میں  
 ٹپک رہا ہے ہواؤں سے شہدِ ناب کا کیف  
 اٹھیل کر کوئی پیالے اسے پیالوں میں

اسی طلسم میں ہم کھو گئے یہ بات ہے کیا  
 یہ فصل تو ہے ہم آہنگ ہو کے گانے کی  
 گلوں کا خندہ خاموش ہی غنیمت ہے  
 نہیں ہے فرصت شرح و بیاں اکھیں نہ سہی  
 ہم اپنے تالہ درد آشنا کی بات کریں  
 کہ اک نوا سے عبارت ہے زندگی اپنی

اب انتظار کی گھڑیاں گمراہ نہیں ہوں گی  
 کہ مل گئی ہے نئی رہگذر خیال کو اب  
 وہ ایک لمحہ کہ جب گونجتا ہے ساز و جود  
 تیار اس پہ کہیں فرقت و وصال کو اب  
 ہر اک شگون مبارک ہے ہر گھڑی شبہ ہے  
 سکھائیں ریز جنوں فصل نیک فال کو اب





افق کے سرخ کھرے میں کہستاں ڈوبا ڈوب رہے  
 پکھیر و کنج میں جھنکار کو اپنی سموتے ہیں  
 تلاطم گھاس کے بن کا تھا، تارے درختوں کی  
 گھنی شاخوں کے آویزاں میں موتی سے پروتے ہیں

سبھی سکھیاں گھروں کو لے کے گاگہ جا چکیں کب کی  
 درتچوں سے اب ان کے روشنی رہ رہ کے تھنتی ہے  
 دھنواں چولھوں کا حلقہ حلقہ لہراتا ہے آنگن میں  
 ادا سی شام کی اک زمزمہ اک گیت بنتی ہے

یہ پانی جس نے دی پھولوں کو خوشبو دے کر رنگت  
 حلاوت گھول دی آزاد چڑیوں کے ترنم میں  
 دہکتے زرد ٹیلوں کے دلوں کو خنکیاں بخشیں  
 ڈھلا آخر یہ کیسے میرے آزر دہ تبسم میں

تہی گا گر کنارے پر رکھے اس سوچ میں گم ہوں  
 کہ یہ زنجیر کیا ہے جس نے مجھ کو باندھ رکھا ہے



## دھندلکے

دل مرا نیم شب کے دھندلکوں کی مانند آفاق گیر  
 تلخ و تیرہ حقائق کو زرتار گھونگھٹ اڑاتا ہوا  
 میں نے بے برگ پیڑوں کو جھومر دیا چاند کا  
 میں نے سناٹے کو سردی صوت کی بالاسری بخش دی  
 میرے تحیئل کی چاندنی کو ہے تزیین عالم کی دھن  
 زہر جتنا اندھیروں میں تھا

میں نے سب پی لیا

اور اپنا تبسم لٹایا گزرگاہوں میں  
 میں خرابوں پہ برسی برستی رہی  
 اجڑے کھنڈروں میں آوارہ ارواح کا نالہ شب تھا  
 دور ظلمت میں الجھا اجالے میں ڈوبا ہوا  
 دشت کا راز آباد ہے

یا تمنا نہ وہ عہدِ عشق و شباب

پائلوں کی کھنک قلب پہناے عالم میں رچتی گئی  
 لوریوں کی صلاوت میں ڈوبی ہوئی زندگی  
 سو رہی ہے بڑی دیر سے میرے دامن میں لپٹی ہوئی

دل مرا نیم شب کے دھند لکوں کی مانند آفاق گیر  
 اپنی گہرائیوں میں چھپے کسی زیرِ تخلیق سورج کا راگ  
 سن رہی ہوں بہت دور سے آہستہ  
 جیسے کرنوں کا اک نعرہ زن قافلہ  
 اس پرت در پرت تیرگی کے طلسم کہن کو دھکنے کو ہے  
 روشنی۔

اے دھند لکوں کی تقدیر برحق!  
 بتا تجھ کو کیا نذر دوں  
 میرے نغمہ کو دھن ہے کہ وہ نرم و شیریں ہو  
 سرمست ہو، دلبری کی اداؤں سے معمور ہو  
 آگہی منتظر ہے، سراپیل کے صور کی  
 سوچتی ہو تجلی خرابوں پہ کتنا ستم ڈھائے گی  
 روشنی ایک نغمہ بنے گی کہ خاموشیوں میں بدل جائے گی  
 میں ابھرتے ہوئے مہر کا راگ بننے چلی ہوں مگر  
 نیم شب کے دھند لکوں کی پرسوز گہرائی بھی  
 مجھ کو یاد آئے گی

میرے بریلطنے صبح ازل دلہی کی قسم کھائی تھی  
 آنسوؤں سے میں دامن ہستی کے داغوں کو دھوتی رہی  
 اس فنا گاہ کے ذرہ ذرہ کو خونِ جگر سے بھگوئی رہی  
 تارے بے رحم افلاک سے لٹ کر

میرے دامن میں پہروں سسکتے رہے

روشنی

(اپنے دل کی دکھن اور دیوانہ پن کے سوا

جس میں مٹتے جہانوں کی فریاد آباد ہے)

میں نے جو کچھ بھی پایا یہاں

سب تری نذر ہے

# سَرِّ حَقِّ

## درگاہِ سَرِّ حَقِّ پیر

دُھلتی شام کا پگھلا سونا سبزہ پر رخشاں  
 گھنے گھنے املی کے سایے جھیل پہ دام افشاں  
 دھنواں دھنواں بالنوں کے بن میں نرم ہوا کا شور  
 شبنم شبنم چشمِ نظر رہ اک شہرِ ارماں  
 بند ہوئے دل تھام کے شوخ کنول ہنگامِ غروب  
 ہر سو سطح آب پہ ہے جلتی شمعوں کا سماں

دل کہتا ہے سَرِّ حَقِّ ہے سَرِّ حَقِّ ہے یہ شام  
 جیسے وہ آنکھیں جن میں چھلکیں خوئے کرم کے سبو  
 سَرِّ حَقِّ ہے ویرانی میں معموری کا سراغ  
 پھوٹتی کرلوں کا نغمہ سادل میں زیرِ نمو  
 وقت کے کہرے میں ہیں سرگرداں دل مثل شہاب  
 تم ہو ایک گریزاں پر تو ہم اڑتی خوشبو

تم ہو ایک گریزاں پر تو ہم اڑتی خوشبو  
 جانے کب تک آئیں نظر اور جانے کب کھو جائیں  
 وقت کی لہروں میں یہ ڈوبتے اور ابھرتے عکس  
 جشن صبا سے جاگیں نغمہ انجم سے سو جائیں  
 شام تنہائی کے حرم میں دست دعا بن جائیں  
 صبح دید کے میخانے میں جام نظر ہو جائیں

سہر حق ہے دیار فنا میں یہ ہستی کا نشہ  
 یہ قربت اور صدا دے کے نور و نار الاؤ  
 یہ چھا گل یہ قدیم پیاء یہ پل دوپل کا پڑاؤ  
 منزل تک پہنچیں کہ نہ پہنچیں اس پر جی نہ دکھاؤ  
 راہیں بھی جزو منزل ہیں ان میں پھول کھلاؤ  
 کچھ ہم سے احوال سنو کچھ اپنا حال سناؤ

آپ ہی آپ جھلکتا ہے کیوں پھر آنکھوں سے لہو  
 زیست اگر کانٹوں کا تاج ہے پھر بھی پیاری ہے  
 کل بھی یہ دریا جاری تھا آج بھی جاری ہے  
 پیاسوں کا حق پر کھوں کی میراث ہماری ہے

اس کے کنارے تشنہ لبی میں عمر گزاری ہے  
پھر بھی آرتی اس کی چپکے چپکے اتاری ہے

کوئی فرات کنارے پائے عظمت محرومی  
کوئی فرات کنارے پائے جیت کے طبل و علم  
اک چھلنی چھلنی مشکیزہ اپنی مشیت ہے  
ہر راہی کی اک منزل ہر دل کا ایک صنم  
اک اک قطرہ آب کی خاطر زخم ہزاروں کھائے  
جب تک راہ نظر آئی ہم بڑھتے رہے پیہم

اک قطرہ نہ بچا پانی کا پھر بھی بچ گئی اُس  
شاید پہلے غم مشکیزہ سے پیاسوں کی پیاس  
اور اگر یہ بھی نہ ہو ممکن تب بھی فرض کا پاس  
کہتا ہے مقصد بن کر پتھر بھی ہے الماس  
منزل جب بن جائے تو اک گل ہے گلشن سے سوا  
جس کے لیے شعلوں میں اترے ہم بے خوف دہرا س



سر حق ہے یہ ہنگامہ یہ رولق یہ سرور  
 گھنی اماوس غم کی خوشیوں کے رنگین ہلال  
 مٹے گوں تاریکی میں سمایا ہلکا ہلکا نور  
 وقت سہانے لمحوں کا ہے ایک چھلکتا تال  
 سوچ رہا ہے کیا مانگے قسام ازل کے حضور  
 دل، کہ تمازت سے ہے تمنا کی بے سدھ بے حال

# مجنوب

تم اک حقیقت ایک خواب  
پاس پاس دور دور  
اک شکوں نیک کی طرح دکھائی دیتے ہو سدا

ریاضتوں نے عرق عرق کر دیا  
دھل دھل نگاہ کی نقاہتوں میں  
خوابناک غم ہے کیا  
بتاؤ دلق پوشش اس کا کیف و کم  
نمود وقت کے ہر ایک نظم کو جھنجھوڑ کر  
وہ تہہ نشیں نشہ جو تم پہ چھا گیا  
بتاؤ دلق پوشش اس کا کیف و کم

جو تم دریچہ بن سکو  
جو تم سے سیل نطق پھٹ پڑے  
تو ہر کوئی خود اپنی ستھارہ میں  
کچھ ایسے ڈوب جائے جیسے تم

کہ یہ سدا کے زخم  
سنسنا ہٹوں میں درد کی  
ٹھٹھر کے سو گئے تھے  
پھر نہ ہوں ہرے کہیں

بسانِ خضر ہاتھ تھام لو  
بسانِ خضر ہاتھ تھام کر لیے چلو  
ہمیں نہ کچھ بھی پوچھنے کا اذن دو  
نہ خود بھی کچھ جواب دو

کہ بحر کا ہی نیلی لہروں سے  
چھلکتا اور چمکتا بحر  
اک بول ہے بکھرا پڑا

اگر یہ اپنے جوش بے جواز سے  
دھتک کے ساحلوں کی رونی سی بکھیرتا ہوا  
اتھاہ چپ کی سرور اکھ اڑائی وادیوں کی سمت  
چل پڑے

کنارے تا کنارے ان کو پاٹ دے  
اگر چل پڑے، سوال  
صبر کی سلوں کو توڑ کر وہی،

ہمیں بھی آج اوک سے پلاؤ

جام سے نہیں

کہ ہم کو ریگ زار کی مسافتوں نے ڈس لیا  
 ذرا سی اوس پنکھڑی پہ جذب ہو سکی نہیں  
 کہ ہم نے اس کو نغمہ صبا میں عام کر دیا  
 گھر نصیب چاک جیسی صدف کا ماجرا  
 وہی حقیقتیں جو خواب بن گئیں

وہ جن زلزلوں سے غم کی تھاہ گو نجاتی رہی  
 وہ جن کا کرپ

تحت و فوق و چار سو سے پس کے

دل میں بھر گیا

وہ باتیں سب بہ پاس راہ و رسم زندگی پر

اتر کے ریگ حرف و صوت پر

عقیم ہو گئیں عذیم ہو گئیں

گھر نصیب کتنے نار سا ہیں ہم

جو یاس دامن کی نیش

روح میں نظر میں دل میں گڑ گئے

سو گڑ گئے

اب ان کو چننے کا بھی جو صلہ نہیں

کہ چن بھی لیں

تو روح کو نظروں کو دل کو کیا کریں

زریاں تھاجس کا جانِ پاک کا زریاں  
 تو پھر وہی فراق ہو  
 ہمارے اور تمہارے درمیاں



# افق در افق

سمٹے پھیلتے پیہم سلگتے اور دھندلاتے  
افق جب پے پے ابھریں افق جب پے پے ڈوبیں  
تو اپنا کام کیا ہے ناؤ اپنی کھیتے رہنا ہے

افق محراب در محراب اپنے دوار پھیلائے  
تعاقب کے اشارے برق بن کر کوند جاتے ہیں  
بدل جاتی ہیں راہیں دوریاں بڑھتی ہیں رہتی ہیں  
کبھی بے کارواں بے مشعل و شور جبرس چلنا  
قیامت ہی سہی پھر بھی ہمیں چلنا ہی پڑتا ہے  
کہ چلنا ہے مقدر ساتھ رہنا اک عنایت ہے  
جسے بن مانگے دیتے اور لے لیتے ہیں بن پوچھے

ذرا سی بات لیکن آب گینے ٹوٹ جاتے ہیں  
ذرا سی بات پہروں دل دکھاتی ہے ستاتی ہے  
تغافل کو بھلا لگتا ہے پھر بھی جی تو جلتا ہے

ہوا اے انتشار کی اک پل میں تر تیبیں زمانوں کی  
الٹ دیتی ہے کیسے اور قضا و قدر کے ہاتھوں  
یقین کے جگمگاتے مسکراتے سورجوں سے پُر  
افق گرد و غبار راہ بن کر ڈوب جاتے ہیں

وہ دیکھو پو پھٹی اندھیا رے جادوں کے سگافوں سے  
ہم اسکو مرحمت کا نام دیتے ہیں۔ ہر اک شکوہ  
یہاں آ کر پشیاں ہونے والوں کو مناتا ہے

الاؤں کے قریں بیٹھے ہوئے کتنی خنک شامیں  
گذر جاتی ہیں جیسے خواب گزرے، دل ٹرتا ہے  
کہ یہ شامیں شبوں میں اور شبیں اجلے سویروں کے  
تسلسل میں گندھی طولِ ابد عمر خضر پاتیں

نگر یہ دائرہ در دائرہ سچائیاں، توبہ !  
ہمیشہ راہ میں آتی رہیں تنہائیاں دینے  
اگر ان کا لہو جم جائے اپنی آستینوں پر  
تو بجھ جائیں یہ شعلے جادو ال روشن لالاؤں کے  
افق کے نقش اور اپنی شبیہیں سب ہی مٹ جائیں

اثاثہ رہگذروں کا تھکن اول تھکن آخر  
 نظارے چشم بینا میں جو آنسو بن کے رہتے ہیں  
 کسک جن کی چھپائے سے نہیں چھپتی وہ سب کانٹے  
 الاؤں کے قریں اکثر جنوں خود نمائی میں  
 کسی اک گیت میں اک داستاں میں ڈھلنے لگتے ہیں

غیم کتنا غنیمت ہے یہ غم ہستی کی قیمت ہے  
 کہ ہم اس کو سنانے اور سننے میں بہل جائیں

افق کے اس طرف اور اس طرف بکھرا ہوا امکان  
 جسے ہم راہ کہتے تھے وہ اک سپنا تھا سودا تھا  
 نوائے ناشنیدہ کے سویروں تک پہنچنے کا  
 ایدہ آشام تنہائی کی وادی پار کرنے کا  
 الاؤں کے قریں آنے کا اک پیارا بہانہ تھا  
 وہ رقص نہایت گل تھا کہ گردش میں زمانہ تھا



## حکایت ذوالنون

اور ذوالنون نے یہ کہا  
وہاں وقت قریب تھا آغاز تھا  
پھر بھی ایسا نہ تھا

صرف اپنی ہی آنکھوں میں اپنا ہی پر تو ہو  
دہشت

وہاں وقت دہشت نہ تھا  
اور ذوالنون نے کی دُعا  
پھر سبک پر مجھے کر  
کہ میں اپنی جاں کو

کشادہ فضا میں صدا دوں  
کشادہ فضا میں جگادوں  
جنونی زمالوں کا شور

تب وہ ماہی کے تیرہ شکم میں نہ تھے  
ریگ ساحل پہ تھے  
اور فریاد جاری رہی

بے اماں بے جہات  
وقت پھیلاؤ ہے

وقت ہر آن تلوار کا گھاؤ ہے  
 دھوپ ہو یا ہوائیں خشونت بھری  
 اپنے لقمے کو تحلیل کرتے ہیں سب

اپنی صورت عظیم و عظیم  
 ناگہاں بات کو کاٹ کر

ایک سر سبز منڈوا

اگا اور چھانے لگا

اور اوراق گنتا رہا اس کے سایے میں

گنتی کا گیان

کو نیلیں اک نئی آفرینش سے ہیں آفریدہ  
 شاعروں کے نیزوں کو تھامے ہوئے سبز شمعیں فروزاں  
 ہمارے سوا بھی کوئی ہے

لگا ہوں کی زد میں

لگا ہوں کی ڈھارس

لگا ہوں کی زد میں ہے جو کچھ

وہ شامل ہے ہستی کی حد میں

اہلتی ہے جانِ زبلوں سے

فراوانی بے کراں — تاپِ رویا

فزوں حد سے ہوتا ہے آخر

فسونی زمالوں کا شور

تب وہ محتاط قدموں پہ اک دن کھڑے ہو گئے  
 اپنی ہستی کی محفوظ سرحد کے ساتھ  
 ان کو پگڈنڈیاں لائیں پکی سڑک تک  
 تو پکی سڑک اتر دبا تھی  
 کہ جو کچھ ننگلے

وہ اگلے چبانے کے بعد  
 اس کے مضبوط جھڑوں کی خود کار جنبش میں  
 خود کار خونی زمالوں کا شور

## گلہ صفورہ

کلیلیں کرتے ریوڑ ساتھ لے کر  
 جب شباں زادے ہوئے رخصت  
 صفورہ کی طرف اُٹھنے لگیں  
 بے صبر نظریں بے زبانون کی  
 'صفورہ اب تو صحرائی کنویں کے گرد  
 پھرنے کی اجازت دو  
 شباں زادی! بشارت دو  
 کہ باری آگئی اپنی،

مگر سنگ گراں جو درمیان تشنگی و آب حائل ہے  
 صفورہ کی نظر میں ہے  
 اپنی مدین سفر میں ہے  
 قوی ہیکل پہاڑوں ناز میں تن رہگذاروں سے  
 بہت آگے  
 اسے بڑھنا ہے  
 سطح ارتفاع آدمیت تک

عکس نغمه

رقتراجم

تار اچمکا

وہ رادھا رانی امر

یاد وطن

فطانت

آزادہ قمری

پریتی

چلنا چلنا مدام چلنا

# تارا اچمکا

تارا نارنگی کے پیڑ میں  
 دیکھیں تارا توڑے کون  
 تیز چلو موتی لیے  
 حمال اٹھائے ریشم کے  
 کیا مہک بہار لٹاتی ہے  
 اپنے امر جیوں خم سے  
 تارا ہے سب نینوں میں  
 دیکھیں تارا توڑے کون  
 ہوا میں اور ہریالی میں  
 دھیان رکھو ہو جائے نہ گم  
 نینوں میں ہے وہ تارا  
 دیکھیں تارا توڑے کون

## وہ رادھارانی امر

وہ رادھارانی امر  
چلی آتی ہے چند اساتھ لیئے  
جب بسنت رت آئے  
پھول اس کو گھیرے  
سادہ سبھاؤ رچاؤ بھرے  
اک پیاری شان سے لہراتے  
جب بسنت رت آئے

وہ رادھارانی امر  
چلی آتی ہے جھونکے ساتھ لیئے  
کسموں کے دونوں روپ

پریش پر میشر  
گھلے ملے اس اچھوتے جیون میں

وہ رادھارانی امر  
چلی آتی ہے جھرنے ساتھ لیئے  
جب بسنت رت آئے  
مدھو مالتی بادل بادل چھائی ہوئی  
چمکیلے تارے چمیلی کے  
چند اسے کھل

جب بسنت رت آئے  
 وہ رادھارانی امر  
 چلی آتی ہے جگتی آتما ساتھ لیئے





# یاد وطن

پودے نہیں اکیلے  
چھایا ہے ان کی سنگی — ساتھی

پر آتما اکیلی  
وادی کی گود میں چاند

درپن اچھالتا ہے

چاندی کا جگمگاتا

وہ جھلملاتا منڈوا

خوشہ سا کھل اٹھا ہے

اس میں جنونی تارا

بیریت نہیں اکیلے — چلتے

چلتے ہیں ساتھ ان کے

وحشی ہوا کے جھونکے — دیے

پر آتما اکیلی

گاتی ہے جب یہ دھرتی

ساتھ اس کے گونجتی ہے

اک صورت سرمدی بھی

ساگر لہر لہر میں

بیلہ چہارہ ہا ہے  
نہ تارہی کے ملن مکی

درہ یا نہیں اکیلے ——— بہتے  
بہتی ہیں ساتھ ان کے

موجیں ———  
ان کی ———

پر آتا اکیلی

## فطانت

فطانت مجھے نام سچا سکھا دے ہر اک شے کا  
 میرا ہر اک لفظ خود ہو وہی شے  
 نئی تازہ دم میری فطرت سے جنمی ہوئی شے  
 مرے واسطے سے جو اشیا کو سمجھے نہیں ہیں  
 وہ اشیا کو پالیں  
 مرے واسطے سے جو اشیا کو بھولے ہوئے ہیں  
 وہ اشیا کو پالیں  
 مرے واسطے سے جو اشیا کی چاہت بھی رکھتے ہیں  
 اشیا کو پالیں  
 فطانت مجھے نام سچا سکھا دے ہر اک شے کا  
 اس کی من و تو و ما و شما کا

# آزردہ قمری

تمھاری سسکیوں کو سن رہا ہوں میں چٹانوں میں  
 دہکتی جا رہی ہو تم  
 ابھر آؤ، نہیں میں سنگدل  
 افسردہ قمری

انھوں نے کس دیئے ہیں کیا شکنجے میں  
 تمھارے خوش نما شہپر  
 وہ تم سے کھل نہیں سکتے  
 تو آؤ، میں نہیں بے دست و پا  
 غم دیدہ قمری

لگا ہوں کی کمندوں سے جکڑ سکتی ہو تم سورج کو  
 اور سیل صبا کو تھام سکتی ہو  
 اٹھو میں بھی نہیں ہوں سست رو  
 واماندہ قمری !

تمھاری تشنگی میرے دہن میں ہے  
 تمھاری تشنگی وہ تشنگی میری  
 چلو اب تک متاع چشمِ نمر رکھتا ہوں میں  
 آزرہ قمری !



## پریتی

تم نہیں ہو مٹنے والی — نہیں  
 پاتی ہو جنم تم نئے نئے  
 ہر نئی بہار کے پھولوں میں  
 مانند حیات تمہارے پتے بھی پڑ جاتے ہیں  
 مانند حیات تمہیں بھی ڈھک دیتی ہے برف  
 پر تمہاری مٹی میں پریتی  
 کپکپ بچنوں کے بیج دے ہیں  
 پورا ہونا ہے جن کو بسراوے میں بھی  
 بیت نہ کرنے کی یہ دھن بے کار ہے  
 یہ مہکار بھرا جھونکا  
 لوٹ آتا ہے ایک نہ اک دن  
 آتم نگر میں  
 جیسے رات — ستاروں بھری  
 اور سمانے لگتی ہو تم روم روم میں پریتی  
 پہلے سے پاکیزہ  
 تم پاک ہو اور اسی کارن ہو امر

جب تم ہوتی ہو تب نیلا ہٹ سے  
 جھنڈ کے جھنڈ سفید ملائم منسوں کے  
 جن کو ہم مرے کپے سمجھے تھے  
 لوٹ آتے ہیں

پھول پھول سے پتیاں کھلاتی رہتی ہو تم نئی نئی  
 تم سدا سدا کے نور کو راگ بنا دیتی ہو  
 نئی نئی آوازوں سے جہنا ہوا راگ  
 تم امر ہو پریتی  
 جیسے بہار

## چلنا چلنا مدام چلنا

چلتے چلتے یہ دھن کہ سن پاؤں  
ہر ذرہ خاک نہیر پا کا — نغمہ

چلتے چلتے بڑھادو پیچھے  
رہو ار کہ گھومتا بھٹکتا — چہنچوں  
چلتے چلتے میں سو پیتا آؤں  
ہر ذرہ خاک نہیر پا میں — خود کو

چلتے چلتے ہے کتنی شیریں  
آمد کھیتوں میں اپنے خود کے  
جب اتری ہوئی ہورات کالی — گبھیر

چلتے چلتے ،  
اور اب تو یوں ہے  
ہے دل ہی پیاؤ ، اور وہ جو  
رستہ مرا تک رہا ہے ، خود ہی — میں ہوں



چلتے چلتے ،  
 یہ لگ رہا ہے  
 جیسے میرے دل کو میرے تلوے  
 دیوانہ پن سے چومتے ہیں — پیہم

چلتے چلتے ،  
 یہ کتنا چاہا  
 دیکھوں کبھی سارے آنسوؤں کو  
 اس جادے کے  
 یہ جو ہے — رودہ — میرا

## نذر نغمہ

سازِ دل کا اک اک تار تیری یاد سے لرزاں  
 جیسے میری رگ رگ میں روحِ آنجلیں رتھاں  
 اے ستارہ الفت اس چمک سے کیا حاصل  
 پیچ و خمِ فضاؤں کے کچھ عیاں ہیں کچھ نہاں  
 اک یہی تماشا بس ہر کہیں نظر آ یا  
 آرزو کے شعلے پر یاس کا دھنواں پیچاں  
 پھر چمک اٹھیں آنکھیں شمع گن رہی ہے پھر  
 راہ کے دھندلے میں انتظار کی گھڑیاں  
 یوں شفق کے بادل سے قطرہ قطرہ ٹپکی  
 وقت بھی ہے تر داماں اور نظر بھی تر داماں  
 مجھ کو کیا خبر آنسو ابر کے تھکے کیسے  
 میں تو کل بھی گریاں تھی اور آج بھی گریاں  
 تیرے نام نے جادو کچھ جگا دیا ایسا  
 خار پوش راہوں میں جیسے بچھ گئیں کلیاں  
 سن کے میرے نغمہ کو لعل گل سے لوانا ٹھی  
 ذرہ ذرہ میں پچلا رنگ و نم کا اک طوفاں

## تارِ رگِ جاں

مجھ سے مری جاں تم کو نہ پھینے تاروں کی گردش  
میں نے تو جو بھی پایا سو کھویا بے آہ و فریاد

میں نے کہا غم اک حال بد ہے احوال دل کا  
اس سے گزرنا اک عہد ہے اور ایفاء ہے لازم  
میں نے کہا عشق اور زندگی اور علم و فن سب  
رازہ نشاطِ دائم نہ پا کر بھٹکے ہوئے ہیں  
میں نے کہا دل فتحِ مبیں کی آیات سے ہے  
فتحِ مبیں ہوں میں اور میرا آغاز و انجام  
پھر اس کی خاطر کتنی شکستیں میں نے اٹھائیں  
پیکاں گنہیدہ آہو کی مانند پھرتی رہی ہوں  
اور خود مرے خواب مرے شکاری میری طلب میں  
آندھیا کی صورت نحو تعاقب صحرا میں بنائیں  
زخمیوں سے میں جو پھرتی رہی ہوں پھرتی رہوں گی  
جب تک گیاہ و گل کی سبھو ہوں شبنم سے لبریز  
جب تک رگِ تاک ٹوٹے نشہ سے، جب تک محبت  
شبنم میں ڈوبی لالی سحر کی مجھ کو پکارے  
ایفاء ہے لازم، میری نگاہیں تم پر لگی ہیں  
مجھ سے مری جاں تم کو نہ پھینے تاروں کی گردش

# دوامِ ماکا

ہم دمی ہم نفسی سانس سے بھی کچا تار  
ایک پل، پھر بھی وہی میرے لیے حبلی متیں  
تھام کر اس کو کبھی خواب کوئی دیکھا تھا  
جیسے لمحات فرد مایہ کا اندھا آئیں  
اپنے ہی نگوں میں نہایا ہوا دم توڑ گیا  
دہر میں رچ گئی شیرینی جان شیریں

کوئی یوسف ہو تو اس خواب کی تعبیر بھی دے  
ورنہ کھو جائیں گے سب مصر کے زنداں کے مکین

ورنہ شاداب یقینوں کے ہرے تاکستاں  
ان میں گونجا ہوا پورے پکاشفق گول آہنگ  
مدتوں جن میں ہوا جذب اجالا شب رنگ  
جھلملاتی ہوئی شب بنم سے بھرے تاکستاں  
ان پہ کیا گزرتے گی گزرتے ہیں تھم جائے  
لمحہ لمحوں سے پگھل کر نہ ملے، جسم بجائے

## ورائے نور

روشنی اس کے مراتب کی یہ رنگا رنگی  
 شمع خورشید جلا کرتی ہے ہر روز یہاں  
 اور سہانی یہ شبیں چاند ستاروں والی  
 جھپٹا شام کا اور صبح کی نرمل لالی  
 خواب آلود دھند لکوں میں گھری کاکشاں  
 ہم اندھیروں کے تناگرہ صفت خوانِ عدم  
 پھر بھی یہ نور نہیں درد کی شب کا درماں  
 پھر بھی یہ نور نہیں زخمِ نظر کا مرہم  
 روشنی راہ دکھانے کی ادائے دلکش  
 ہم تجھی میں نہ الجھ جائیں ہمیں راہ دکھا  
 فرق پھر کیا ہے یہ آتش کدہ وہ نور کدہ  
 روشنی راہ دکھا۔ حسن کا دعویٰ گونجا  
 خیر سے لہجہ و آواز کی باری آئی  
 سامعہ خواب بنا ڈوبتی بینائی کا

# سرمایہ بہار

انگبیس دل کا کہ زنبور امتگوں کہ جسے  
 دور و نزدیک کے باغوں سے بصد راز و نیاز  
 مانگ لاتے ہیں کبھی نذر میں لے آتے ہیں  
 دھوپ کی آگ میں پروانہ صفت نیم گداز  
 صف بہ صف کاٹھوں کے پہرے سے اڑا لاتے ہیں  
 کیمیا کار ریاضت کے مہکتے ہوئے راز  
 انگبیس دل کا کہ نذر کریں کس کے لیے  
 وقت پرواز بنا زیست مسلسل آواز

پکھول کو اپنی ہی مہکار سے کیا لینا ہے  
 جوش جو لہر میں ہے لہر سے تھامے نہ بنے  
 بات یہ کیا ہے کہ بادل میں گھٹے برق سدا  
 نہ نیستاں میں رچے اور نہ نئے سے بکھرے  
 بات جب ہے کہ جو کچھ میرا ہے تم تک پہنچے  
 بات جب ہے کہ تمہارا سبھی تم تک نہ رہے

# غزل

رقص خوشبوؤں کے ہیں راگ رنگ و نم کے ہیں  
 وادیوں میں ہنگامے باد صبح دم کے ہیں  
 دھند اب رہو شمع کی لے رہی ہے ہلکورے  
 آسماں کی آنکھوں میں خواب جام جم کے ہیں  
 اے رباب خاموشی! ہم سے پردہ داری کیا  
 راز داں پرانے ہم تیرے زیر و بم کے ہیں  
 داغ بن کے کہہ دو اب اک طرف سمت جائیں  
 یہ جو دل پہ کچھ سائے فکر پیش و کم کے ہیں  
 ہر جنم کی شب سوز و انتظار میں گزری  
 اس جنم کے دامن میں اشک ہر جنم کے ہیں  
 پھر ہمارے اشکوں پر دیر تک رہی تکرار  
 ہم کہیں خوشی کے ہیں وہ کہیں اطم کے ہیں  
 ہم تمہارے گلشن میں نغمہ بہار ہیں  
 نغمہ ہزار ہیں اور کوئی دم کے ہیں  
 مژدہ کے لیے آیا ہے کوئی اپنے خوابوں میں  
 اک نئی چمک کے ساتھ مہر و ماہ چمکے ہیں

## قلماء

دھانی دھانی سبزہ میں روشن لالے  
لالوں کی پتی پتی شبنم سے تر  
اے دل اس اک پل کی شو بھائی کھوجا  
اے دل اس اک پل کے بعد کی بات نہ کر

اے دل، اے دل گھل گھل کر یوں خون نہ ہو  
غم کی آگ میں دھیرے دھیرے پگھلنا چھوڑ  
فصل گل آئی کچھ تو کر موسم کی شرم  
عود کی صورت شام و سحر اب جلنا چھوڑ

گل مہروں کی پتکھڑیاں جھڑتی ہی رہیں  
لعل بہ داماں ہونے لگے ٹیلے میدان  
ناچ رہی ہے بگولے میں اک برگ سرخ  
میری ہی مانند کھلتی رہی اور تادان



مالی ! تیرے پھول مبارک ہوں تجھ کو  
ہم نہ اٹھیں ٹانگیں گے اپنے بالوں میں  
ہم تو یہاں بس اتنی آکس پہ آئے ہیں  
تھوڑی سی خوشبو بس جائے خیالوں میں

جب تک چاند ستارے اپنے ساتھ ہیں  
تب تک اپنا درد بیاں کرتے جائیں  
کار گہہ ہستی میں کچھ کرنا ہے ضرور  
کچھ نہ کریں تو آہ و فغاں کرتے جائیں

اے دل تو اک خود رو پھول ہے صحر اکا  
خوف نہ کھانا ان پر ہول چٹانوں میں  
ہم اس اجڑی محفل ہی سے نباہیں گے  
رقص کریں گے مہکیں گے ویرانوں میں

تارو، دور سے غمگیں دل کو تسکیں ۲۰  
میں کب کہتی ہوں دامن میں ٹوٹ گرو  
میرا دامن پڑے میرے اشکوں سے  
تم افلاک کے ماتھے پر جگ جگ چلکو